راہِ عمل

مُروءتِ شرعیہ (دِینی شرافت)

(حقیقت، اہمیت اور تقاضے)

جمع وترتیب: مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور

کھلم کھلا گناہوں اور صریح معصیت کے کاموں سے بچنے کو تو شریعت کی اصطلاح میں "تقوی" کہا جاتا ہے، اور اپنے مقام ومرتبہ سے گرے ہوئے، یا عرف میں ناپسندیدہ سمجھے جانے والوں کاموں سے اجتناب کرنے کو "مروت" سے تعبیر کرتے ہیں۔

شریعت میں "مروت" کو بہت اہمیت دی گئی ہے، تقوی اور مروت کے مجموعے کو فقہاء کی اصطلاح میں "عدالت" کہا جاتا ہے، عدالت کے بغیر نہ کسی کی شہادت قبول ہوتی ہے، نہ روایت، اور نہ فتوی، اِسی لیے مروت: دینی مقتداؤں اور علمی شخصیات کے لیے لازمی شرائط میں سے ہے۔

مروءت، یا مروّت: عربی زبان کا لفظ ہے، جو "مرء" سے مشتق ہے، عرف اور شرع میں اِس کا اِطلاق: مردانہ وقار والے اوصاف وکمالات اور مکارمِ اَخلاق پر کیا جاتا ہے، بہت سی مرتبہ عرف کے بدلنے سے اِس کا معیار بھی بدل جاتا ہے۔

مقام ومرتبہ کے تفاوت اور عرف وماحول کے اختلاف کے تناظر میں مروت کی دو قسمیں کی گئی ہیں:

ایک وہ جو عام مسلمانوں (اور عام اِنسانوں) سے مطلوب ہے، کہ اُس کا اثر شرعی عدالت پر تو نہیں پڑتا، مگر اُس کے بغیر عرفی شرافت ووجاہت بھی حاصل نہیں ہوتی۔

دوسری وہ جو بطورِ خاص راویانِ حدیث، مفتیانِ شرع، اور خدامِ دین سے مطلوب ہے، کہ اُس کے بغیر وہ مخصوص عدالت نہیں حاصل ہو پاتی جس پر شرعی استناد واِعتبار کا دارومدار ہے۔

ذیل میں ہم اولاً دونوں قسموں کے تحت مطلوبہ صفات وعادات کا بیان کرتے ہیں، بعد ازاں دونوں کی شرعی حیثیت اور اہمیت پر بھی اِن شاء اللہ تعالی مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

۱۔ مروت کی پہلی قسم (جو عام مسلمانوں سے مطلوب ہے):

اِس قسم کے تحت صرف وہ صفات مطلوب ہوتی ہیں جو ایک شریف اِنسان اور مردِ کامل (مَرْء) کو: شیطانیت،

حیوانیت، اورنسوانیت سے ممتاز کردے، اورمعاشرے کی عوامی سطح سے اوپر اُٹھا کر عزت ووجاہت کا خاص مقام دیدے۔

علم وحکمت، عقل ودانائی، جرأت وشجاعت، جود وسخاوت، عفت وپاکدامنی، استغناء وخودداری، صدق وراست بازی، حلم وبردباری اور عدل وانصاف پسندی جیسی صفاتِ حمیدہ اور اَخلاقِ کریمہ اِس مروءت کے بنیادی اوصاف میں سے ہیں، کہ اِن کے بغیر تو کوئی شخص کسی شریف اور مہذب معاشرے میں کوئی باعزت مقام پا ہی نہیں سکتا۔

اِن کے علاوہ مزید کچھ اوصاف اور بھی ہیں جن کو معاشرے میں اہمیت دی جاتی ہے، اور اُن سے متصف افراد کو عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن خلف الآجریؒ (ت: ۳۰۹ھ) کی ایک کتاب ''المروءۃ'' ہی کے نام سے ہے، جس میں انھوں نے اپنی سندوں سے مرفوع وموقوف روایات، اور تابعین وسلفِ صالحین کے اقوال وآثار کے حوالے سے اُن تمام اوصاف واخلاق کا اِحاطہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے جو ایک باوجاہت اور باعزت شخص سے مطلوب ہوتے ہیں، ذیل میں اُن میں سے چند اہم اخلاق کی فہرست بطورِ نمونہ پیش کی جاتی ہے:

۱ـ کتاب المروءۃ کے مصنف نے سب سے پہلے ایک مرفوع حدیث کے حوالے سے عقل اور دانائی کو مروءت کا حصہ قرار دیا ہے۔

۲ـ پھر ایک اور حدیث کے حوالے سے اِنصاف پسندی کو اور اِصلاح بین الناس (لوگوں کے درمیان صلح صفائی) کی عادت کو مروءت میں سے شمار کرایا ہے۔

۳ـ ایک اور طریق میں: دین کی صلاح، معاش کی درستگی، سخاوت اور صلہ رحمی کو خصائلِ مروت میں سے بیان کیا ہے۔

۴ـ ایک دوسری روایت میں حُسنِ اخلاق کو مروت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(یہاں اِن روایات کی اِسنادی حیثیت کی کوئی تحقیق نہیں کی گئی، اِس لیے کہ پیشِ نظر مضمون میں اِن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب بیان کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ محض مروت کے معانی کا بیان پیشِ نظر تھا، اور وہ اپنی جگہ بہرحال درست ہے، خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُن کی نسبت ثابت ہو یا نہ ہو، واللہ اعلم)۔

۵ـ آجُرّی ہی نے حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ زیادہ مول بھاؤ کرنے کو بھی خلافِ مروءت کہتے تھے۔

۶ـ احنف بن قیسؒ سے نقل کیا ہے کہ غصہ کے وقت خود پر قابو رکھنے، اور بغیر فرمائش اور

طلب کے اپنی چیز (علم، یا مال) کا اظہار نہ کرنے کا نام مروت ہے۔

۷۔ حضرت عمر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہنرمند (صاحبِ فن) ہونا، اور دوسروں کے سامنے اپنی ضرورت نہ رکھنا، یہ اصل مروت ہے۔

۸۔ صعصعہ بن صوحان سے نقل کیا ہے کہ مشکلات میں خود پر قابو رکھنے، اور سوال کے بغیر زبان پر قابو رکھنے کا نام مروت ہے۔

۹۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروت کی تعریف میں مندرجہ ذیل اوصاف نقل کیے ہیں:

أ۔ جب کسی سے ملے تو شگفتگی کے ساتھ۔

ب۔ جب گفتگو کرے تو عمدگی کے ساتھ۔

ج۔ جب کسی کی بات سنے تو توجہ کے ساتھ۔

د۔ جب مخالفت کا سامنا کرے تو خندہ پیشانی کے ساتھ۔

ھ۔ اس کے علاوہ ایسے لوگوں سے مزاح نہ کرے جن کی عقل کا، یا دین کا بھروسہ نہ ہو۔

و۔ شرپسند اور گھٹیا قسم کے لوگوں سے مخاصمت اور مقابلہ آرائی نہ کرے۔

ز۔ اور ہر ایسی بات سے احتراز کرے جس سے انجام کار معذرت کرنی پڑے۔

۱۰۔ بعض دہقانِ عرب سے مروءت کے لیے چار چیزوں کا ہونا نقل کیا ہے:

(۱) اپنی آبرو کو مظنۂ تہمت سے بچانا۔ (۲) اپنے مال کو بربادی سے بچانا۔ (۳) اپنے گھر والوں پر اتنی توجہ رکھنا کہ وہ اپنی حوائج وضروریات میں کسی اور کے محتاج نہ ہوں۔ (۴) کھانے پینے میں طبیعت کے موافق وناموافق کا خیال رکھنا (لہٰذا بازار میں ملنے والی ہر چیز کو کھانے کی خواہش اور فکر کرنا بھی خلافِ مروءت ہے)۔

۱۱۔ مختلف بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اپنا گھر اور در چھوڑ کر کہیں اور لیٹنا اور آرام کرنا بھی خلافِ مروءت ہے۔

۱۲۔ کثرتِ مزاح (ہنسی ٹھٹھے) کو بھی خلافِ مروت اُمور میں شمار کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کو انسان کی شرافت، وجاہت اور معاشرتی عزت ووقار میں دخل ہے، فصاحت وبلاغت، طلاقتِ لسانی، زورِ بیانی اور قلم کی روانی وغیرہ کے کمالات بھی ان میں شامل ہیں، اِن اُمور کا جتنا زیادہ لحاظ کیا جائے گا، اسی قدر معاشرہ میں وجاہت اور وقار کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

جب وفدِ عبد القیس: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو وفد کے باقی ارکان تو دوڑتے، لپکتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے، جب کہ وفد کے رئیس منذر بن عائذؓ نہایت سکون واطمینان سے سواری سے اترے، اُسے مناسب جگہ پر بٹھایا، باندھا، اُس کے بعد سامان رکھنے کا بند وبست کیا، کپڑے تبدیل فرمائے، پھر نہایت وقار اور ادب کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی یہ سنجیدگی اور متانت بہت پسند آئی، اور آپ نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یا أشج! إن فيك خصلتين، يحبهما الله عز وجل، ورسوله :الحلم والأناة (آپ کے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو بہت پسند ہیں: بردباری، اور وقار) [مسلم]۔

دراصل تمام انسانی مروت کی اصل اور سرچشمہ یہی دونوں خصلتیں ہیں، جس کو یہ دونوں عادتیں نصیب ہوجائیں اُس کے لیے مروت کے بقیہ معانی اور مظاہر کو اختیار کرنا نہایت آسان ہے۔

تنبیہات:

تنبیہ: ۱— جاننا چاہیے کہ مروت کے اوصاف بعض لوگوں کے اندر تو طبعی اور فطری ہوتے ہیں، اُن کو تو صرف شرعی مسائل جان کر اُن کی روشنی میں اپنی اِس خداداد نعمت کے صحیح اِستعمال کی فکر کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

اور بعض حضرات کے اندر یہ اوصاف طبع زاد نہیں ہوتے، اِس لیے اُن کو کسی شریف اور مہذب معاشرے میں عزت ووجاہت کا مقام حاصل کرنے کے لیے اِن اوصاف کی تحصیل اور اِکتساب کی ضرورت پڑتی ہے۔

چنانچہ اہلِ عرب کو اِس کا بڑا اہتمام تھا، وہ اپنی اولاد کو امورِ مروءت کی تعلیم دلاتے تھے، اور اُن کے اندر مردانگی کے کمالات پیدا کرنے کی خاص فکر اور کوشش کرتے تھے، حتی کہ فضل ابن دلہم کہتے ہیں کہ ہشام بن عبد الملک اموی کے لشکر میں ہم لوگوں کو مروءت کی تعلیم بھی اسی طرح دی جاتی تھی، جس طرح قرآنِ کریم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

تربیت یافتہ صلحاء اور بزرگوں کی خدمت میں جانے اور اُن کی صحبتوں میں رہنے سے بھی یہ نعمت حاصل ہوسکتی ہے۔

تنبیہ: ۲— سادگی وبے تکلفی: اِسلام کی خاص تعلیم اور مسلمانوں کی خاص پہچان ہے، جس کے اندر یہ صفت ہوتی ہے اُس کا مزاج: قلب کے تصنع وبناوٹ، کپڑوں کی زیب وزینت، اور مکان کی آرائش

وسجاوٹ وغیرہ کا نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز کے اندر سادگی، قناعت پسندی، اور کفایت شعاری کا اظہار ہوتا ہے۔

اور یہ سادگی موجودہ دور کے اس عامیانہ پن اور سطحیت سے بالکل مختلف چیز ہے جس کا منشا عموماً ہلکا پن اور خفت ہوتا ہے، بے وزن شخص ہر محفل کی رونق بننا اور ہر مجمع کا حصہ بننا منظور کرلیتا ہے، جب کہ باوزن شخص اپنے ہم جنس، ہم پیشہ، اور ہم مذاق لوگوں کے علاوہ میں بیٹھنے میں عار اور بار محسوس کرتا ہے، الایہ کہ کہیں شرعی یا معاشرتی ضرورت ہی داعی ہوجائے۔

بے وزنی ہر مہذب معاشرے میں "مروت" کے منافی مانی جاتی ہے، جب کہ اِسلامی سادگی کا شمار نہایت اعلیٰ درجہ کی صفات میں ہوتا ہے۔

اِس فرق کی وضاحت اِس قدر تفصیل سے اِس لیے کردی گئی کہ آج کل اِن اُمور میں بہت سوں کو اشتباہ ہوجاتا ہے۔

تنبیہ: ۳— ہمارے اِس دور میں جس میں تمام ہی "معروفات" منکر، اور "محاسن" معائب ٹھہرائے جارہے ہیں، اور تمام "منکرات" معروف اور "معائب" محاسن قرار دیئے جارہے ہیں، شرافت ومروت کے معیار میں بھی یہ التباسات پیدا ہوگئے ہیں۔

لہو ولعب، کھیل کود، تفریح وتماشا: اِن میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کو اِسلام میں، یا شرفاء کے ہاں اَسبابِ مروت میں شمار کرایا گیا ہو، اور اُس کے ذریعہ کسی مہذب معاشرے میں وجاہت کا مقام حاصل کیا جاسکتا ہو، مگر کیا کیجیے گا کہ اِس زمانہ میں یہ اُمور بھی جاہ ومنصب کے حصول میں بہترین معاون قرار پاچکے ہیں۔

بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر فحاشی وعریانیت اور فسق وفجور کے مظاہر: اَسبابِ مروءت میں سرفہرست مقام حاصل کرچکے ہیں، اور اِنہی رذائل کے حاملین کو موجودہ دور میں نمونہ اور معیار قرار دے لیا گیا ہے، فإلی اللّٰہ المشتکی، وھو المستعان۔

یہ سب انقلابات تو دنیا میں برپا ہی ہیں، یہاں ایک مؤمن کے لیے دیکھنے کی اَصل چیز یہ ہے کہ نعوذ باللہ کہیں وہ خود بھی فکراً یا عملاً اِسی منحرف نظام کا حصہ تو نہیں بن گیا ہے، کہ وہ اپنے قول سے اس کی تائید کررہا ہو، یا اپنے عمل سے اس کی معاونت میں شامل ہوکر وَ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ کی خلاف ورزی کررہا ہو!!۔

(باقی آئندہ)

راہِ عمل

دوسری و آخری قسط

مُروءتِ شرعیہ (دِینی شرافت)

(حقیقت، اہمیت اور تقاضے)

جمع وترتیب: مولانا محمد معاویہ سعدی

استاذ جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور

(۲) مروت کی دوسری قسم (جو خواصِ اُمت سے مطلوب ہے):

خواصِ اُمت اور خدامِ دین سے جو اوصافِ مروءت اور اَخلاق و مکارم مطلوب ہیں، وہ مزید بر آں ہیں، اور اِس کی مختلف وجوہ ہیں:

اَ: یہ حضرات مقتدائے قوم ہوتے ہیں، اِس لیے ان کی زندگی دوسروں کے لیے بہر حال نمونہ بن جاتی ہے، خواہ یہ اس کو نمونہ کہہ کر پیش کریں یا نہ کریں۔

ب: یہ حضرات مقربینِ بارگاہِ خداوندی باور کیے جاتے ہیں، اور **حسنات الأبرار سیئات المقربین** کا اصول مشہور اور مسلم ہے۔

ج: اگر یہ خادمِ دین عالم بھی ہے، پھر تو وہ وارثِ انبیاء بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمات مطہرات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: يَانِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ (اے نبی کی بیبیو! تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو.....)۔

معلوم ہوا کہ وارثینِ انبیاء کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی نہایت خصوصی ہے، اور اِسی لحاظ سے عوام کے ہاں بھی اُن کی اہمیت ہوتی ہے، اُن کی زندگی اُن کی ذاتی زندگی نہیں رہ جاتی کہ اُس کو ذاتی معاملہ (پرائیویٹ لائف) کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔

بلکہ اُن کے ہر ہر قول و عمل میں دین کی ترجمانی اور اسلام کا پیغام بھی پوشیدہ ہوتا ہے، اور لوگ اُس کو حجت اور دلیل بناتے ہیں۔

اِسی لیے علماء نے دینی پیشواؤں کے لیے اور بطور خاص اہلِ علم کے لیے مروت وشرافت کا نہایت اعلیٰ معیار مقرر فرمایا ہے۔

راویٔ حدیث کے لیے اَسبابِ مروءت بیان کرتے ہوئے علامہ سخاویؒ (ت:۹۰۲ھ) فرماتے ہیں: قد حقق الماوردي أن الذي تجنبه منها شرط في العدالة، وارتكابه مفض إلى الفسق: ما سخف من الكلام المؤذي، والضحك، وما قبح من الفعل الذي يلهو به، ويستقبح بمعرته، كنتف اللحية، وخضابها بالسواد، وكذا البول قائماً، يعني في الطريق، وبحيث يراه الناس، وفي الماء الراكد، وكشف العورة إذا خلا، والتحدث بمساوئ الناس.

قال الزنجاني...... :وفي الجملة رعاية مناهج الشرع وآدابه، والاهتداء بالسلف، والاقتداء بهم :أمز واجب الرعاية.

قال الزركشي :وكأنه يشير بذلك إلى أنه ليس المراد سيرةَ مطلق الناس، بل الذين يُقتدى بهم، وهو كما قال (فتح المغيث بشرح ألفية الحديث (۲/۱۵۹) انتهى ملخصاً۔

امام ماوردیؒ نے اِس مسئلہ کو محقق فرمادیا ہے کہ جو مروءت: شرطِ عدالت کی تکمیل کے لیے ضروری ہے، اور جس کی خلاف ورزی موجب فسق ہوسکتی ہے: وہ جیسے تہذیب سے گرا ہوا کلام، متانت سے گری ہوئی ہنسی، اور ایسی تفریح جو اس شخص کے مقام کے نامناسب ہو، اسی طرح جس نامناسب کام سے اُس کی شخصیت پر آنچ آتی ہو، جیسے داڑھی کے بال اکھیڑنا، سیاہ خضاب لگانا، راستے میں کھڑے ہوکر، یا لوگوں کے سامنے، یا ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا، اور تنہائی میں ستر کی حفاظت کا اہتمام نہ کرنا، اور لوگوں کی برائی اور غیبت میں لگے رہنا..... وغیرہ وغیرہ۔

زَنجانیؒ فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ اِس مطلوبہ مروءت کے لیے شریعت کے طریقے کی اور اُس کے آداب کی رعایت، سلفِ صالحین کی سیرت کا اتباع، اور اُن ہی کے نقوشِ قدم پر چلنا :یہ ایسی ضروری قیدیں ہیں کہ ایک راویٔ حدیث (اور عالمِ دین) کے لیے ان کی رعایت بہرحال ضروری ہے۔

علامہ زرکشیؒ: زَنجانی کے اِس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اِس سے معلوم ہوا کہ اِس مروءت کے لیے عام لوگوں کی سیرت کافی نہیں ہے، بلکہ مقتدا اور اکابر کی سیرت کو اِختیار کرنا ضروری ہے۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں :بجا فرمایا، بالکل یہی بات ہے)۔انتہی

اِن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عالمِ دین کو اپنی وضع قطع، لباس وہیئت، طرزِ معاشرت، چال

ڈھال، نشست وبرخاست، مجالست ومصاحبت، اور اَخلاق وعادات سب کی سب: سلفِ صالحین اور اکابرِ دین کے طریقے کے مطابق رکھنی چاہیے، جبھی وہ عالمِ ربانی اور مردِ حقانی بن سکتا ہے، ورنہ اگر یہ سب حفاظتی حصار نہ ہوں تو نعوذ باللہ نفس وشیطان کے ہاتھوں کا کھلونا بننے میں دیر نہیں لگے گی۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ شرائط ایک راویٔ حدیث کی ثقاہت اور محدث کے استناد کے لیے تو ٹھیک ہیں، مگر ایک عالم اور مفتی کے لیے بھی یہ شرائط اسی طرح سے مطلوب ہیں، اس کی کیا دلیل ہے؟

تو جاننا چاہیے کہ اِس کی صراحت محققین علماء نے فرمائی ہے، چنانچہ امام ابو بکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں: **فمن كان بالمنزلة التي وصفنا: جاز له الاجتهاد في أحكام الحوادث، وردُّ الفروع إلى أصلها، وجاز له الفتيا بها إذا كان عدلاً. فأما إن جَمع ذلك ولم يكن عدلاً، فإنَّ فتياه غير مقبولة، كما لا يُقبل خبره إذا رواه، ولا شهادته إذا شهد** (الفصول فی الاصول لابی بکر الجصاص الرازی ۴/ ۲۷۳)۔

حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں: **أما شروطه وصفاته: فهو أن يكون مكلفًا مسلمًا، ثقة مأمونًا، متنزهًا من أسباب الفسق ومسقطات المروءة، لأن من لم يكن كذلك فقوله غير صالح للاعتماد، وإن كان من أهل الاجتهاد** (آدب المفتی والمستفتی ص: ۸۶)۔

بلکہ اِس زمانہ میں عقلی لحاظ سے مفتی کے لیے تو ان شرائط کی اور زیادہ اہمیت سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ راویٔ حدیث کے مخاطب تو عام طور پر خواص ہوتے ہیں، اُن کے ساتھ تلبیس وتضلیل کا معاملہ عموماً آسان نہیں ہوتا۔

جب کہ مفتی کے مخاطب اکثر وبیشتر عوام الناس ہوتے ہیں، اَب اگر مفتی اپنے قول وعمل اور فکر وعقیدہ کے لحاظ سے قابلِ وثوق نہیں ہوگا تو اس سے تلبیس وتضلیل کا خطرہ بہت زیادہ ہے، اور عین ممکن ہے کہ اُس کو اپنے فتاویٰ میں اپنا تحفظ اور دفاع بھی پیشِ نظر ہو جائے، اور وہ شریعت کا اصل حکم بتلانے کے بجائے وہ صورت بتائے جس کی زد اس کے قول وعمل پر نہ پڑتی ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: **قال الشيخ أبو عمرو ابن الصلاح: وينبغي أن يكون كالراوي في أنه لا يؤثر فيه قرابةٌ وعداوةٌ، وجرُّ نفع، ودفعُ ضر، لأن المفتي في حكمِ مُخبرٍ عن الشرع بما لا اختصاص له بشخص، فكان كالراوي، لا كالشاهد، واتفقوا على أنّ الفاسق لا تصح**

فتواه، ونقلَ الخطيب فيه إجماعَ المسلمين (آداب الفتوی والمفتي والمستفتي للنووي، ص:۱۹)۔

مفتئ ماجن:

اِسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آزاد عاقل بالغ پر حجر (پابندی) لگانا جائز نہیں ہے، مگر تین طرح کے لوگوں پر ضروری ہے: طبیب جاہل، مفتئ ماجن، اور مُکارِیٔ مفلس (ایسا کاروباری جو مفلس ہو چکا ہو)۔

اِس لیے کہ اول میں لوگوں کی جان کو خطرہ ہے، ثانی میں ایمان کو خطرہ ہے، اور ثالث میں مال کو خطرہ ہے۔

ماجن: مُجون سے مشتق ہے، جس کے معنی سخت کے ہیں، وہ شے جس کے اوپر کسی چیز کا اثر نہ ہوتا ہو۔

اِسی روشنی میں فقہاء نے مفتئ ماجن کی مختلف تشریح کی ہے، مثلاً: جو فاسقوں جیسے اعمال کرتا ہو، لوگوں سے شرم وحیا نہ رکھتا ہو، لوگوں کے لیے دِین میں اُن کے من چاہے حیلے تراشتا ہو، عورتوں کے لیے بنتا سنورتا ہو، اور ایک تفسیر یہ بھی کی گئی کہ شطرنج وغیرہ کھیلتا ہو، اور اِن سب کا حاصل یہ لکھا ہے کہ دین کے معاملے میں بے باک، یا لاپرواہ ہو، اور ایسا سخت دِل ہو گیا ہو کہ کسی کی بات سے، یا حالات سے عبرت نہ پکڑتا ہو۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو نفس وشیطان کے غلبے اور پھندے سے نکال کر، اِیمانی، عرفانی، روحانی اور اِحسانی اَعمال واَشغال میں مشغول فرمائیں، اور دنیا کی محبت دل سے نکال فکرِ آخرت نصیب فرمائیں، اور مُنعَم علیہم کے راستے پر چلنا آسان فرمائیں، آمین

وصلی اللہ وبارک وسلم علی سیدنا ونبینا ومولانا محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین ،وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبحاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا